بساطِ دل
تحریم امان اللہ بخاری

بساطِ دل

تحریم امان اللہ بخاری

میں اس وقت اپنے گھر کے دالان میں بیٹھی بارش دیکھ رہی ہوں۔ مجھے بارش بہت پسند ہے۔ مجھے اسکے ہر ایک قطرے سے عشق ہے۔

پہلے نہیں تھا لیکن اب۔۔۔ اب مجھے بس اسی بارش کی چاہ ہوتی ہے۔ جب میں اس کے ایک ایک قطرے کو محسوس کرتی ہوں تو مجھے لگتا ہے جیسے مجھ میں جان پڑتی جا رہی ہے۔ مجھے اس بارش میں اپنا عکس دکھتا ہے۔ لیکن جب یہ آسمان سے پھوار کی طرح میرے شل وجود پہ برستی ہے تو میں بالکل زمین کی طرح ہو جاتی ہوں۔ اتنی منافقت مجھ میں کیسے آگئی۔ میں نہیں جانتی۔ لیکن یہ منافقت مجھے بھلی محسوس ہوتی ہے۔ اگر رنگ بدلنے سے آپ تھوڑی سی محبت چکھ لیتے ہیں تو یہ اتنی غلط بات بھی نہیں۔ اور میں ۔۔۔ میں تو اس بارش کی محبت کی رازدار ہوں۔۔۔ اور جب سے میں اس کی رازدار ہوئی ہوں۔ بارش مجھ پر مہربان ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے میں اس پہ مہربان تھی۔ کہانا۔۔۔ میری محبت۔۔۔ بالکل بارش کی محبت جیسی ہے۔۔۔ بارش کی محبت۔۔۔۔ وہ محبت۔۔۔ جو اسے زمین سے ہے۔ اور مجھے شعیب سے۔۔۔ وہ محبت جو بارش کو بلندیوں پہ بھی بے چین رکھتی ہے۔۔ اور مجھے وقت کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے۔۔۔ میں نے بارش کی تڑپ کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔۔ جب یہ اپنے محبوب کے قدموں میں گر کے اپنا آپ مٹا دیتی ہے تو میرا وجود چھلنی ہو جاتا ہے۔ زمین کی ایک آواز پہ جب یہ دوڑتی ہوئی اپنا آپ خاک کر دیتی ہے تو میں دیوانی ہوئی جاتی ہوں۔ کیا میرا دیوانہ ہونا غلط ہے؟ کیا بارش اپنی محبت کی تپش سے ہر کسی کو جلا نہیں ڈالتی؟؟ تو پھر میں کیوں نہ کر پائی؟ میں نے بھی تو بارش کی طرح ٹوٹ کے چاہا تھا شعیب کو؟ میری محبت کی تپش نے اسے کیوں نہ راکھ کیا؟ میرے جلتے ہوئے دل سے اسکے دل کا دیا کیوں نہ جل سکا؟؟

"میں اس پہاڑ سے گر کے مر جانا چاہتی ہوں۔"

"مجھے نہیں پتہ تھا کہ ان پہاڑوں پہ بے رحم لوگ بھی پناہ لیتے ہیں۔" یہ میرے ایک کلاس فیلو کی آواز تھی۔ جس سے کبھی بات تو نہ ہوئی البتہ چہرہ شناسا تھا۔ میں کچھ دن کے لیے اس پہاڑی علاقے میں اپنے یونیورسٹی کے ٹور کے ساتھ آئی تھی اور اب اکیلی بیٹھی پہاڑوں کے قریب اپنی موت کیلیے کوشاں تھی۔ تبھی وہ وہاں آیا۔ نجانے کب؟ میں جھنجھلائی اور خود پہ قابو پاتے ہوئے بولی۔

"ہاں بالکل ویسے ہی۔ جیسے میں نہیں جانتی تھی کہ ان پہاڑوں پہ چور اچکے بھی وارد ہوتے ہیں"

وہ تیوریاں چڑھائے میرے قریب آبیٹھا۔

"چور اچکا تو کوئی بھی نہیں دیکھا میں نے۔ البتہ تمہارے پاس ایک ہینڈسم سانوجوان بیٹھا ہوا ہے۔" عجیب شخص تھا۔ میں نے بدستور جھرجھری لی۔ مجھے تنہائی میں بیٹھنا تھا اور وہ مجھے مسلسل چڑا رہا تھا۔

"دوسروں کی باتیں چھپ چھپ کے سننا یقیناً ایک بہت بڑی چوری ہے" میں نے رخ پھیر لیا۔

"اور خودکشی کرنا ہی نہیں اسکے بارے میں سوچنا بھی حرام ہے۔" میری آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ میں نے اچانک اٹھنا چاہا۔ اس طرح اچانک اٹھنے سے میرا پیر پھسل گیا اور میں بہت زور سے اس پہاڑ سے ذرا نیچے والے پہاڑ پہ جا گری۔ میری چیخیں گونج کی صورت مجھ تک واپس آئیں۔ ابھی میں موت کے لیے کوشش کرنے والی تھی اور ابھی خوف کی چڑیا میرے دل میں اپنی جگہ بنا بیٹھی۔ میں جو کچھ دیر پہلے پہاڑ سے نیچے گر جانا چاہتی تھی۔ اسے آوازیں دینے لگی۔ مجھے لگا میں بہت نیچے آگئی ہوں۔ وہ کوئی پاگل تو نہیں جو میرے لیے اپنی جان خطروں کے حوالے کرے گا۔ لیکن وہ پاگل ہی تھا۔

"عین! تم پریشان مت ہو، میں ابھی آرہا ہوں۔۔۔ دیکھو۔۔ ہمت مت ہارنا۔" اسکی آواز بوتل کے جن کی طرح میری سماعت تک پہنچی تھی اور میں جیسے پرسکون ہوتی جا رہی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ مجھے لیے ان پہاڑوں کے قریب ایک ڈھلوان پہ بیٹھا تھا۔ میرا پاؤں اسکے ہاتھ میں تھا۔ بہت چوٹ آئی تھی۔ قدم زمین پہ رکھتے ہی ایک درد بھری چیخ میرے ہونٹوں پہ بیٹھ جاتی اور میں کراہ اٹھتی۔ وہ یہاں تک مجھے تھام کے لایا تھا۔ میری آنکھوں میں آنسو پورے استحقاق سے بیٹھے تھے۔ اسکے چہرے پہ مسکراہٹ تھی اور اسکی مسکراہٹ دیکھ کر میری سسکیوں میں روانی آگئی۔ اللہ! کیا واقعی میرے درد پہ کسی کو تکلیف نہیں ہوتی؟ میں مزید روتی جا رہی تھی اور وہ مسکراہٹ سجائے بیٹھا میرا پاؤں دیکھتا جا رہا تھا۔

"بہت درد ہو رہا ہے؟" اس نے منہ اٹھا کر پوچھا۔ میں نے ہاں میں سر ہلا دیا۔

"تم نے مسٹر چپس کو پڑھا ہے؟" میں اسکے بے وقتی عجیب سے سوال پہ ششدر رہ گئی اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے اسے دیکھنے لگی۔

"بتاؤ نا۔ تم نے مسٹر چپس کو پڑھا ہے؟"

"نہیں! بس ایکسر سائز تیار کی تھی اور ایگزامز دے دیے۔"

"جانتا ہوں۔"

"ہاں؟ کیسے؟"

"اگر تم نے مسٹر چپس کو پڑھا ہوتا تو اس وقت میں یہاں اوپر بیٹھا ہوتا اور تم نیچے بیٹھ کر میرے پاؤں کا معائنہ کر رہی ہوتی" میں نا سمجھی کی حالت میں منہ اٹھا کے اسے دیکھتی رہی۔ بالآخر میرے دماغ نے کام کیا اور میں نے اسے دونوں ہاتھوں سے دھکا دے کے پرے کھسکا دیا۔

"مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے، میں اپنا پیر خود دیکھ لونگی۔"

"تم تو واقعی بالکل چپس کی طرح کھڑوس نکلی لیکن فکر نہ کرو۔ میں بھی بالکل کیتھی کی طرح ثابت قدم ہوں۔ تمہارے پیر کی خوب دیکھ بھال کرونگا۔" وہ میرے سامنے ٹانگیں پھیلا کے بیٹھ گیا۔

میں نے غصے سے بھری آنکھیں اس پہ ٹکائیں اور اٹھنے کی کوشش کی۔ درد کی ایک تیز پھوار میرے پیر پہ گری اور میری آہ نکل گئی۔ وہ ایک دم سے میرا پیر پکڑ کے دیکھنے لگا۔

"تم تو چپس سے بھی زیادہ کھڑوس ہو عین۔" وہ منہ بسورتا ہوا میرے ساتھ بیٹھ گیا۔

"میرا نام اقراء ہے۔" میں نے غصے کو اپنی ناک پہ بلا اجازت بیٹھنے دیا۔

"اقراء عین الصباء۔" اس نے تصیح کی۔

میں نے بے بسی کا ہاتھ تھامے نگاہیں جھکا لیں۔ کچھ دیر تک اس نے بھی ہمارے درمیان خاموشی کی دیوار بنائے رکھی۔ لیکن وہ منافق مزدور تھا۔ معیاری سامان استعمال نہ کر سکا اور وہ دیوار فلک سے برسنے والے قطروں کی آواز کے سبب ٹوٹ گئی۔ میں نے اسکا ہاتھ تھام لیا اور یہیں سے مجھ میں چپس اور اس میں کیتھرین کا کردار قطرہ قطرہ سرایت کر گیا۔ آنے والے دنوں میں اس نے کیتھرین کی طرح میرے پیر کا خوب خیال رکھا اور میں چپس کی طرح اسکی محبت میں ڈوبتی چلی گئی۔۔۔۔ یہ جانے بغیر کے ڈوبنے کے بعد مرنا مقدر ہے۔

میں خوش رہنے لگی۔ میری تمناؤں کا شجر بھرنے لگا۔ وہ روز مجھ سے ملتا تھا اور روز میری آس کا پودا نشو نمائی کی حدود کو چھوتا تھا۔

میرا سجنے میں دل نہیں لگتا تھا۔۔۔۔۔۔۔ مگر اسے میں سجی سنوری اچھی لگتی تھی۔ پھر میں نے سجنا شروع کیا۔ اسکے لیے ۔۔۔ جو کہتا تھا۔۔ "تم میری عین ہو۔"

"اور میں اس سے ہمیشہ پوچھتی تھی۔

"تم مجھے عین کیوں کہتے ہو شعیب؟"

"اس لیے کیونکہ مجھے پسند ہے۔"

"کیوں پسند ہے؟" میں بے چینی سے پوچھتی۔

"کیونکہ میں جب جب تمہیں دیکھتا ہوں مجھے کیتھرین یاد آتی ہے اور کیتھرین میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔" وہ آنکھیں بند کیے ہوئے جواب دیتا۔

"ہونہہ۔ تم کتاب میں سے اس چڑیل کو نکال کے اپنے پاس رکھ لو۔ میں جا رہی ہوں۔" میں ہمیشہ منہ بنا کے جانے لگتی اور وہ ہمیشہ میرا ہاتھ پکڑ لیتا۔

"کیا کروں عین؟ دل ہی تم پہ آیا۔" میں محبت کی چاشنی کو اپنے دل میں اترتا ہوا محسوس کرتی اور وہ جھٹ سے کہتا۔

"ویسے کیتھی کا کردار زندہ کرنے میں بھی کوئی مزائقہ نہیں۔" اور میں آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو دبا لیتی۔ اور وہ جھٹ سے پریشان ہو جاتا۔ مجھے پرسکون کرتا۔ نجانے کیوں میں ہمیشہ سے بہت روندو سی ثابت ہوئی تھی۔ ذرا سا خدشہ میری آنکھوں میں نمکین قطرے لا سکتا تھا۔ اس پہ میرا اختیار نہیں تھا۔ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ مجھے ابھی بھی یاد ہے۔ میری ایک بہت پیاری دوست تھی۔ ایشے۔ میں اس سے ہمیشہ پوچھتی تھی۔

"میں بہت اداس دکھتی ہوں ایشے؟"

"ہاں"۔ میں سر ہلا کر رہ جاتی۔

"اور میں؟" وہ فوراً مجھ سے پوچھتی۔

"تم بھی" وہ مسکرانے لگتی۔

"ہم اداس کیوں لگتی ہیں ایشے؟" میں اسکے قریب لیٹ جاتی اور آنکھیں بند کر لیتی۔

"اس لیے کیونکہ ہمارے دل ویران ہو چکے ہیں۔" وہ بھی لیٹ جاتی اور پھر تاریکی چھا جاتی۔ گہری پراسرار تاریکی۔۔ جیسی ہمارے دلوں میں پنجے گاڑے بیٹھی تھی۔

شعیب کا ساتھ میرے لیے جنت تھا لیکن میرے آنسو نہیں رکتے تھے۔ وہ ہمیشہ صاف کرتا تھا اور میں ہمیشہ اسے اس بارش میں بھگوئے رکھتی تھی۔

"تم اداس کیوں رہتی ہو عین؟" اس نے مجھ سے پوچھا۔

"کیونکہ میرا دل ویران ہے۔" میں نے ایشے کی بات دہرائی۔

دو سال۔۔۔۔ دو سال کا عرصہ کم تو نہیں ہوتا۔۔ دو سال تک وہ میرے نمکین آنسوؤں میں نہاتا رہا اور آخر۔۔۔ آخر اسے

الجھن کی ٹھنڈ لگ گئی۔ وہ بیمار پڑ گیا اور بیماری کے سبب اس نے مجھے چھوڑ دیا۔

"مجھے کچھ وقت دو شعیب۔"

"میں نے دو سال کا وقت کا دیا تھا اقراء۔" آج پہلی بار اس نے مجھے میرے کامن نام سے بلایا تھا۔ یقیناً بیماری الجھن سے نفرت میں تبدیل ہو گئی تھی۔ لیکن وہ تو بے قصور تھا نا۔ سارا قصور تو اس بیماری کا تھا جو ہمارے بیچ ناسور بنتی جا رہی تھی۔ اسکا پتہ نہیں لیکن مجھے یہ ناسور مارنے پہ تلا ہوا تھا۔

"میں نے تمہیں بہت سمجھایا اقراء۔ دو سال سمجھاتا رہا۔ لیکن اب میری ہمت جواب دے گئی ہے۔ میری محبت تمہارے لیے کافی نہیں ہے۔ تمہیں کوئی بہت اچھا مل جائے گا لیکن ہماری سوچیں بہت مختلف ہیں۔" وہ رکا نہیں۔ چلا گیا۔ اسکے بعد کیا ہوا۔ میں نہیں جانتی۔ جو آخری منظر میں نے دیکھا تھا۔ وہ ایک ویران سی سڑک تھی جہاں ایک لڑکی دور جاتے ہوئے کسی لڑکے کو چیخ چیخ کے بلا رہی تھی۔ وہ لڑکا شاید اسکا محبوب تھا۔ ہاں محبوب ہی ہو گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

"یکم اپریل۔۔۔ یہی وہ دن تھا جب مسٹر چپس اپنے بیوی اور بچے سے بچھڑ گیا تھا اور آج۔۔۔ آج بھی یکم اپریل ہے لیکن آج کوئی چپس نہیں بلکہ ایک کیتھرین اس ہجر کے سمندر میں ڈوبی ہے۔" میں ایشے کی گود میں سر رکھے روتی جا رہی تھی۔ وہ کوئی خواب تھا۔ ایک خوفناک خواب جس نے مجھے خوفزدہ کر دیا تھا۔

"لڑکوں کی بساط دل بہت چھوٹی ہوتی ہے اقراء۔ انہیں اداس لڑکیوں سے محبت کی چال چلنے کا موقع نہیں ملتا۔"

من جاں عشق من دم عشق"

(عشق اداسی ہے، بے سبب اداسی)

"میں اداس نہیں تھی۔ وہ تھا تو میں خوش تھی۔ وہ نہیں ہے تو میں اداس ہوں۔ وہ تھا تو میں زندہ تھی۔ وہ نہیں ہے تو میں مر گئی ہوں۔" ایشے میرے بالوں میں ہاتھ پھیرتی مجھے تسلی دے رہی تھی۔ "مجھے بتاؤ نا ایشے۔ میں تمہیں زندہ لگ رہی ہوں؟"

"اقراء! میری جان چپ کرو۔ وہ آجائے گا۔"

"وہ نہیں آئے گا ایشے۔ وہ بیمار ہو چکا ہے۔ وہ آیا تو وہ مر جائے گا اس بیماری سے۔ اسے اپنی جان پیاری ہے اور مجھے۔۔۔ مجھے بھی تو اداسی پیاری ہو گئی تھی نا ایشے۔ میں نے کیوں اس اداسی سے دوستی کیے رکھی۔ ایک دوستی توڑ دیتی تو آج وہ میرے ساتھ ہوتا۔ مرنے سے بہتر تھا کہ میں ایک تعلق ختم کر دیتی۔"

"میری پیاری! کاش ایسا ہو سکتا۔ کاش۔ مگر تم چپ کرو۔ اللہ سے دعا کرو۔ وہ تمہارے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ جانتا تو

تمہیں کبھی چھوڑ کے نہیں جاتا۔ محبت کرنے والے خامیاں دور کرتے ہیں۔ خامیوں پہ رستہ نہیں بدلتے۔"

"اس نے چاہا تھا ایشے۔ اس نے میری اداسی دور کرنے کی بہت کوشش کی تھی۔"

"ہاں! اس نے کی کوشش کی تھی لیکن اگر وہ وجہ جاننے کی کوشش کرتا تو یقیناً آج حالات مختلف ہوتے۔ اور کوشش تو برسوں تک جاری رہتی ہے۔ جو محبت کرتے ہیں انہیں سالوں کی مقدار سے فرق نہیں پڑتا۔ وہ تو کوشش کرتے رہتے ہیں۔ آخر تک۔"

میری سانسیں جل رہی تھیں۔ میری جھولی سے امید کے تمام سکے سرک گئے تھے۔ میری دھڑکن وحشت کی عجب دھن پہ رقصاں تھی۔ میں اپنی حالت کو سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ میں ایشے سے کہنا چاہتی تھی کہ اسے کہو نا ایشے۔ میں سوئے ہوئے محل کی بے ہوش شہزادی ہوں۔ مجھے اپنے لمس سے زندہ کر دے۔ "میری محبت بارش جیسی ہو گئی جو محبوب کے قدموں کی خاک چھاننے کو بھی تیار رہتی ہے۔ "اسے کہو میری آنکھیں بے نور ہو چکی ہیں۔ ان میں اپنا نقش چھوڑ جائے۔ میں گونگی ہو چکی ہوں۔ میری گویائی لوٹا دے۔ ایک بار بس ایک بار آ جائے۔ ایشے اسے کوئی کیوں نہیں کہتا کہ میں تشنہ لب کھڑی ہوں مجھے کسی نوحے سے سیراب کر دے۔"

"اسے محبت تھی۔۔ بہت محبت تھی۔۔۔ لیکن میرے دل کی ویرانی ڈائن بن گئی اور اس محبت کو کھا گئی۔" میں بس یہ کہہ پائی اور آنکھیں بند ہو گئیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

میں اقراء عین الصباء۔۔۔۔ میری امی بچپن میں مجھ سے بچھڑ گئی تھیں۔ میں نے اللہ سے بہت دعائیں کی تھیں کہ وہ میری امی کو واپس بھیج دیں۔ ایسا نہیں ہے کہ اللہ نے میری دعا نہیں سنی۔ ایک دن بابا جان آئے۔ ساتھ میں ایک عورت بیٹھی تھی۔ لال رنگ کا جوڑا زیب تن کیے۔ گھونگھٹ اوڑھا ہوا تھا۔ میں نے ارد گرد سے پوچھا کہ یہ کون ہے تو ساری چھیل چھبیلی لڑکیاں مجھ پہ ہنسنے لگیں۔ ارے یہ تمہاری امی ہیں۔ میں دوڑتی ہوئی ان کے پاس گئی۔ مجھے اس وقت ابو پہ بہت ہی پیار آیا۔ انہیں میری کتنی پرواہ تھی۔ وہ میری امی کو واپس لے آئے۔ میں نے جھٹ سے گھونگھٹ کھول دیا۔ سارے میں یکدم سناٹا پھیل گیا۔ امی حیرانی سے مجھے دیکھنے لگیں۔

"یہ میری امی نہیں ہیں۔" میں نے چیخ مارنے کے انداز میں کہا اور انہیں بازو سے پکڑ کے اٹھانے لگی۔ وہ اتنی بڑی تھیں کہ مجھ سے کھینچی نہ گئیں لیکن میں مسلسل انہیں اسی انداز میں ابو سے دور کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اچانک ایک زوردار دھماکہ ہوا اور میں دور جا کے گری۔ وہ زوردار دھماکہ ایک تھپڑ کی آواز تھی جو امی نام کی اس عورت نے میرے منہ پہ لگایا تھا۔

"بد تمیز! تمہیں کسی نے نہیں سکھایا کہ بڑوں سے کیسے پیش آتے ہیں۔" وہ پہلا دن تھا جب میرے اوپر اداسی نے پر پھیلائے تھے۔ میں جی جان لگا کر روئی تھی اور روتے روتے اپنے کمرے میں بند ہو گئی تھی۔ ساری رات کوئی نہیں آیا اور میں ساری رات دیوار سے لگ کے روتی رہی۔ اس دن میں نے آنسوؤں سے زور زور سے ہاتھ ملا کے دوستی کر لی تھی۔ اسکے بعد میں جب بھی اداس ہوتی آنسو ہمیشہ میرا ساتھ دیتے تھے۔ صبح بابا آئے۔ مجھے سمجھایا۔ میں نے امی سے معافی بھی مانگ لی لیکن میں انہیں امی بنانے پہ راضی نہیں تھی۔ اس میں کچھ عجب نہیں تھا۔ وہ عورت بھی مجھے بیٹی بنانے پہ راضی نہیں تھی۔ پھر نجانے کیا ہوا۔ اس نے مجھے بیٹی مان لیا۔ بابا کے سامنے میں اسکی بیٹی بن جاتی تھی جسے وہ بے تحاشا چاہتی تھی اور بابا کے بعد جیسے میں ایک سیاہکار بن جاتی تھی۔ اسے مجھ میں صرف خامیاں نظر آتی تھیں۔ آہستہ آہستہ یہ سب میری عادت بن گیا۔ میں نے بخوشی اپنی اداسی کا استقبال کیا اور اسے اپنے وجود میں پناہ دے ڈالی۔ پہلے پہل میں نے اپنے کمرے کی دیوار پہ اداسی کا خاکہ بنایا۔ میں گھنٹوں اس خاکے سے باتیں کیا کرتی۔ ایسا نہیں تھا کہ میں پاگل تھی۔ ہاں میں تنہائی پسند ہو گئی تھی۔ اور تنہائی پسند لوگ وقت کی ہر ساعت کی آہٹ سننے لگتے ہیں۔ میں بھی سنتی تھی۔ اداسی کے خاکے سے باتیں کرتے میں کبھی نہیں ہچکچائی تھی۔ البتہ لوگوں کا سامنا کرتے ہوئے میں خوف کا شکار رہتی تھی۔ جب کبھی میں دنیا سے تنگ آ جاتی تو اس دیوار کے پاس آ کے کھڑی ہو جاتی۔ آ کے ساتھ لپٹ جاتی۔ میرے وجود میں جو سکون اترتا اسے شاید ہی کسی ذی روح نے کبھی محسوس کیا ہو گا۔ مجھے لگتا جیسے اداسی کے اس خاکے نے مجھے اپنی باہوں کے گھیرے میں لے لیا ہے۔ میں چپ چاپ اس سے لپٹی رہتی اور اسکی تشفی میرے دل کو اطمینان بخشتی رہتی۔ میں اکثر حیران ہوتی تھی کہ لوگ تنہائی سے کیوں ڈرتے ہیں۔ میری ایک ہم جماعت کہتی تھی کہ وہ تنہائی سے بہت خائف رہتی ہے۔ جب کبھی وہ تنہا ہوتی ہے تو اسے لگتا ہے جیسے اسے کسی قید خانے میں بند کر کے کوئی جادوگرنی اسکا سوپ بنا کے پینے لگی ہے۔ مجھے اسکی یہ باتیں بے تحاشا ہنسنے پہ مجبور کر دیا کرتی تھیں۔ میں یہ ساری باتیں اپنے اداسی کے خاکے کو سناتی اور ہنستی تھی۔۔ بہت ہنستی تھی۔ مجھے تو تم اتنا پیار کرتی ہو۔ دوسروں کو کیوں چڑیل بن کے ڈراتی ہو؟ دیکھو آئندہ ایسا مت کرنا ورنہ. میں تم سے ناراض ہو جاؤں گی۔ دوسروں کو ستانا بری بات ہے نا۔ اور مجھے لگتا جیسے وہ میری ہر بات سمجھتی ہے۔ اور سچ ہی تو ہے۔ اتنا مجھے کوئی بھی نہیں سمجھتا تھا جتنا وہ سمجھتی تھی۔ پھر ایک دن میں بڑی ہو گئی۔ میرا دور کسی یونیورسٹی میں داخلہ ہو گیا اور مجھے ہاسٹل میں بھیج دیا گیا۔ میری تنہائی مجھ سے دور ہو گئی لیکن اداسی میرے ساتھ رہی۔ ہاسٹل میں میری ایک لڑکی سے دوستی ہوئی۔ ایشے۔ وہ مجھے اپنے جیسی لگی۔ اسے بھی اداسی سے محبت ہے یا نہیں۔ میں کبھی نہیں پوچھ سکی۔ البتہ مجھے وہ اداس ہی لگی۔ یونیورسٹی کا ٹور کسی پہاڑی علاقے کی طرف جا رہا تھا۔ ایشے بھی میرے ساتھ پہاڑوں کی ساتھی ہوتی لیکن اسے اچانک اپنے گھر جانا پڑا۔ میں اکیلی رہ گئی اور وہاں ہی ایک پہاڑ پہ میری ملاقات میرے چیپس سے ہوئی۔ ہاں واقعہ تھوڑا الٹا ہو گیا جس میں چیپس کا کردار میں نے اور کیتھرین کا کردار شعیب نے نبھایا لیکن میں اسکی کیتھرین بن گئی اور یہ میری

زندگی کی سب سے حسین خوشی تھی۔ جس نے مجھے دنیا میں چلنا سکھایا۔ میری سوشل اینگزائیٹی کو ختم کیا اور میں اپنے تنہائی کے خاکے کو بھول گئی۔ البتہ اداسی اکثر مجھ سے ملنے آتی تھی۔ میں کیا کرتی۔ پرانی دوستی کو اچانک تو نہیں توڑا جا سکتا۔ میں بہت چاہتی ہوں کہ اس دوستی کو ختم کر دوں لیکن مجھے لگتا ہے کہ اس پہ میرا اختیار نہیں ہے۔ کیوں نہیں ہے؟ اس سوال کا جواب میں بھی نہیں جان پا رہی۔

اس نے میری ڈائری بند کی اور میرے پاس آکر میری پیشانی پہ بوسا دیا۔

"تم بہت حساس ہو اقراء اور حساس لوگ جب ایک تلخ تجربہ کر لیتے ہیں تو پھر چھوٹی چھوٹی بات پہ اداس ہو جاتے ہیں۔ پھر کہاں اختیار ہوتا ہے اداسی پہ؟ تمہیں بتاؤں تم کیوں نہیں ساتھ چھوڑ پا رہی اس اداسی کا۔ اس لیے کیونکہ تم بہت شفاف دل رکھتی ہو اور شفاف دل ہر تکلیف پہ اداس ہو جایا کرتے ہیں۔ اس لیے کیونکہ وہ دکھوں کی میل کو برداشت نہیں کر پاتے۔"

نہیں نہیں۔ آپ غلط مت سمجھیے۔ ڈائری بند کرنے والا نفس میری دوست ایشے کا تھا۔ اگر وہ پڑھ لیتا تو شاید وہ بھی آ جاتا۔ پر یقیناً نہ تو میں کتابی کیتھرین ہوں اور نہ ہی وہ کوئی چیپس۔ جسکے ہاتھ محبوبہ کی ڈائری لگ جاتی اور وہ اسکے دکھ کو محسوس کر کے اسے اپنا لیتا۔ ایشے سچ کہتی ہے:

"لڑکوں کی بساطِ دل بہت چھوٹی ہے۔ انہیں اداس لڑکیوں سے محبت کی چال چلنے کا موقع نہیں ملتا۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆

ختم شُد

اس افسانہ پر آپکی قیمتی رائے کا انتظار رہے گا۔